ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی
مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۳
مارچ ۲۰۰۹ء/ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

سرپرست
حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِعرفات)
نگران
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِعرفات)
مولانا احمد علی حسنی ندوی مدظلہ
(ڈائریکٹر، دارِعرفات)
مجلس ادارت
بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی
عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی
محمد حسن ندوی
معاون ادارت
محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۷ روپے سالانہ: ۷۰ روپے
اعزازی (سالانہ) ۵۰۰ روپے

مرکز الامام أبی الحسن الندوي
دار عرفات ،تکیہ کلاں
رائے بریلی (یوپی) ۲۲۹۰۰۱
E-Mail: alnadwi@yahoo.com

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات"، مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کا معاشی بحران

بلال عبدالحی حسنی ندوی

کسی بھی بیماری کا صحیح علاج اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک اس کی پوری تشخیص نہیں ہوجاتی، درد کی گولیوں سے فوری طور پر آرام تو محسوس ہوتا ہے مگر مرض بجائے گھٹنے کے اور بڑھتا ہے، اور اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو ہلاک کر کے چھوڑتا ہے، کچھ یہی صورت حال موجودہ معاشی بحران کی بھی ہے، پوری دنیا کسی نہ کسی حیثیت سے آج اس کے شکنجہ میں ہے، امریکہ جس کو معاشی حیثیت سے بھی بالادستی حاصل رہی ہے، وہ بھی آج معاشی بحران سے گزر رہا ہے، نومنتخب امریکی صدر اوبامہ نے فوری طور پر اس سے نپٹنے کے لیے امریکی کانگریس سے ایک بڑا بجٹ منظور کرالیا ہے تاکہ اس سے امریکہ کی ڈولتی کشتی کو سنبھالا جاسکے، چند سال کے عرصہ میں بڑے بڑے بینک دیوالیہ ہوگئے، لاکھوں افراد بے روزگاری کا شکار ہوگئے، اپنے اپنے طور پر اقتصادی ماہرین مسئلہ کو حل کرنے کی تدبیر میں لگے ہوئے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان ظاہری تدبیروں کی حیثیت درد کی گولیوں سے زیادہ نہیں، اس سے کچھ وقت کے لیے سنبھالا تو لیا جاسکتا ہے لیکن یہ مسئلہ کا حل نہیں، اس کے لیے اس کے بنیادی اسباب کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

موجودہ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) کی بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس میں انسان کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، اسلام آزادی کی نفی نہیں کرتا مگر جب تک اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچے، اسلام انسان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچا کر فائدہ حاصل کرے، جب کہ موجودہ اقتصادی نظام خودغرضی پر مبنی ہے، جس طرح بھی انسان نفع حاصل کرسکے، جس طرح ایک شکاری دانا ڈالتا ہے اور شکار کرتا ہے، اسی طرح سودی کاروبار کا حال ہے، سودی قرض دینے والا قرض دے کر ایک طرح سے شکار کرتا ہے پھر انسان اس میں اس طرح جکڑ کر رہ جاتا ہے کہ چاہنے کے باوجود بھی نکل نہیں پاتا اور بعض مرتبہ نفع کا بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں صرف ہوجاتا ہے، یہاں مسئلہ صرف افراد کا نہیں ہے بلکہ عالمی پیمانہ پر سٹہ کا بازار گرم ہے، ورلڈ بینک کے سودی قرض میں دنیا کے اکثر ملک جکڑے ہوئے ہیں، خود ہمارے ملک کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ سود کی ادائیگی میں جارہا ہے، غرض یہ کہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (International Monetary Fund) ورلڈ بینک (World Bank) اور پیرس کلب (Group of Ten) جیسے مضبوط مالیاتی اداروں کی پوری دنیا کے معاشی نظام پر اجارہ داری ہے، یہ ادارے ملکوں کو بھاری شرح سود میں بڑے بڑے قرضے دیتے ہیں پھر ان کے داخلی معاشی معاملات ہی میں نہیں سیاسی امور تک میں بے جا مداخلت کرتے ہیں اور اپنی بالادستی قائم رکھنے کے لیے ان کو کمزور کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔

اس وقت کا ایک بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ صہیونی طاقتوں نے مالیات (Economy) کو پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، امریکہ کے موجودہ اقتصادی بحران کی آڑ میں یہ صہیونی طاقتیں کوئی بھی جوا کھیل سکتی ہیں، ایک خبر یہ بھی ہے کہ دنیا کے معاشی نظام کو ایک صہیونی بینک کے ماتحت کرنے کی تیاری کی جارہی ہے، ظاہر ہے اس کے ذریعہ سے صہیونی پروٹوکول کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں کی جائیں گی جو پوری دنیا کے لیے تباہی کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت ہی نے یہ بحران پیدا کیا ہے، اس میں سود، سٹہ بازی کے خالص خودغرضی پر مبنی معاشی سرگرمیوں کو خاص دخل ہے۔

روسی اشتراکی نظام (Marxism) ناکام ہوچکا، امریکہ و یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام اپنی خرابیوں کے ساتھ سامنے ہے، دنیا اس کے نتیجہ میں اقتصادی بحران کا شکار ہے، دنیا کو اس وقت ایسے معاشی نظام کی ضرورت ہے جو انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر قائم ہو اور اس میں پورا توازن پایا جائے، سرمایہ داروں کو نہ ہی ایسی چھوٹ دے دی جائے کہ وہ دوسروں کا خون چوس چوس کر اپنی دولت بڑھائیں اور نہ ہی ان پر ایسی پابندیاں لگادی جائیں کہ ان کی ساری دلچسپی ہی ختم ہوجائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خصوصیات صرف اسلامی نظام معیشت پر منطبق ہوتی ہیں جس میں پورا اعتدال ہے، ایک طرف انسان کو مادی ترقیات کی اجازت دی گئی ہے اور مالی تصرفات میں اس کو آزاد رکھا گیا ہے تو دوسری طرف ایسی چیزوں پر پابندیاں بھی لگائی گئی ہیں جن سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے، سود اور سٹہ کے تمام معاشی سرگرمیوں کو اس میں حرام قرار دیا گیا ہے اور یہ تصور بھی ساتھ ساتھ دیا گیا ہے کہ سماج کے محروم افراد کا بھی ہماری دولت میں حصہ ہے، اگر کوئی مالدار ضرورت مند کو کچھ دیتا ہے تو اس پر احسان نہیں کرتا بلکہ اپنے مال میں موجود اس کا حق ادا کرتا ہے، یہ خالق کائنات کا بتایا ہوا نظام ہے جس میں کاروباری میں عقل رکھنے والوں کے لیے دلچسپی کا سامان بھی ہے اور بیچارے جو لوگ اس میدان کے نہیں ان کے لیے بھی اس میں حصہ ہے۔ "أهم يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا، ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات" (کیا وہ ہمارے پروردگار کی رحمت بانٹتے ہیں، ہم نے ان کی معیشت کو ان کے درمیان تقسیم کردیا ہے، اور ایک کو دوسرے پر درجوں کی بلندی بخشی ہے۔)

ذہن سازی میں وسائل ابلاغ کی اہمیت

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی

موجودہ دور کو ''انفارمیشن'' کا دور کہا جاتا ہے، وسائلِ ابلاغ کی تاثیر اور قوت دوسرے سارے وسائل سے زیادہ ہے، اسی کی حقیقت میں حکمرانی ہے اور ذہنوں کی تسخیر کے لیے یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے، عربی میں بعض اہل قلم نے اسے ''صاحبة الجلالة'' یعنی ''Her Majesty'' لکھا ہے، یہ علم کا بھی ذریعہ ہے، بلکہ اس کی تاثیر تعلیم سے زیادہ ہے، تعلیم کا تعلق کتاب سے ہے اور اس کا دائرہ محدود ہے۔ اس عہد میں سب سے زیادہ مقبولیت ورواج اخبارات کو حاصل رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر ذرائع نشر واشاعت تک عوام الناس کی رسائی نہیں ہو پاتی، جب کہ اخبارات سے قوم کا ہر فرد فائدہ اٹھا سکتا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ دیگر ذرائع کا فائدہ وقتی اور عارضی ہوتا ہے جب کہ اخبارات میں شائع شدہ تاریخی حقائق و واقعات اور ان کے اسباب ونتائج سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے، مجلّات اور اخبارات کے ذریعہ ہم قدیم عہد کے مسائل اور واقعات سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اور ان سے وہ تاثیر لے سکتے ہیں جو تاریخ کی کتابوں سے حاصل نہیں ہوسکتی چنانچہ اخبارات کے ذریعہ آج ہم عہد قدیم سے واقف ہوتے ہیں۔

یورپ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو محاذ جنگ قائم کیا اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی خاطر جو تدبیریں اور وسائل اختیار کیے اس کی معلومات بھی قدیم مجلّات اور اخبارات سے ملتی ہیں، ان مجلّات ورسائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یورپ نے مسلمانوں کے تئیں بغض وعناد، نفرت وتعصب اور عداوت وانتقام کا کیسا مظاہرہ کیا اور کتنی عیاری اور تندہی سے وہ اسلامی حکومت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا اور مسلم ملکوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور ریاستوں میں کیسے تبدیل کیا گیا۔ جنگ عظیم کے اختتام پر مسلم علاقوں کو تقسیم کرنے کے لیے جو نقشہ یورپ نے تیار کیا تھا، خاص طور پر قسطنطنیہ اور ترکی کی وراثت کی تقسیم سے متعلق، وہ لندن کے ایک اخبار میں شائع ہوا تھا وہ امیر شکیب ارسلان کی ''حواشی حاضر العالم الإسلامی'' میں مذکور ہے، اس سے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں یورپ کے موقف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلام کی حقانیت کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لیے اس نے یہی وسائل استعمال کیے۔

یورپ نے عالم اسلام پر اپنا سیاسی، تہذیبی اور فکری اثر واقتدار قائم کرنے میں وسائل ابلاغ کا سب سے زیادہ سہارا لیا، اس مقصد کے حصول کے لیے عیسائی مبلغین اور مستشرقین نے تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنا ہم خیال بنانے اور عالم اسلام کی رائے عامہ کو ہموار کرنے کی خاطر مجلّات ورسائل جاری کیے، ان میں سے بعض کے اپنے ریڈیو اسٹیشن ہیں اور متعدد ٹیوی چینل، مجلّات ورسائل کی تو کوئی انتہا نہیں ہے، اسلامی موضوعات پر انہوں نے کتب خانہ قائم کردیا جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ذہن سازی کرتا رہا ہے، یورپ میں اسلام دشمنی کا یہی سب سے بڑا سبب ہے، ان میں سرفہرست ''صموئیل زویمر'' (Samuel Zwemer) ہے جس نے ۱۹۱۱ء میں ''العالم الاسلامی'' (The Muslim World Journal) نامی ایک مجلّہ جاری کیا جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا، اسلامی عقائد ومسلمات کی غلط شبیہ پیش کرنا، مسلمانوں کی نئی نسل کو ان کے دین سے متنفر وبیزار کرنا، قرآن وحدیث پر مسلمانوں کے اعتماد کو کمزور کرنا اور عیسائیت کی دعوت دینا تھا، اس مجلّہ کے بنیادی موضوعات اسلام، نبی کریم (ﷺ)، دنیا میں مسلمانوں کے حالات، قرآن وحدیث، عیسائی مشنری سرگرمیاں، کتاب مقدس (انجیل) اور مسلم خواتین تھے۔ ان موضوعات پر غلط اور گمراہ کن مواد شائع کرکے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق ذہنوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، اس کے مشہور لکھنے والوں میں کارڈنر (Cardnar) مالکڈونلڈ (D.B.Macdonald) آرتھر جفری (A.Jeffry) مارگولیوتھ (D.S.Margoliouth) اور رچرڈ بیل (Richard Bell) جیسے مستشرقین تھے۔

یہودیوں نے صحافت کی اہمیت کا احساس انیسویں صدی کے آخر میں کرلیا تھا اور اس کے لیے انہوں نے اقدامات شروع کردیے جن کے نتائج اب ظاہر ہورہے ہیں، ۱۸۶۹ء میں یہودی حاخام ''راشورون'' نے پراگ میں میڈیا پر کنٹرول حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا:- ''دنیا پر کنٹرول کے لیے اگر سونے کے ذخائر پر قبضہ ہمارا پہلا ترجیحی ذریعہ ہے تو میڈیا دوسرا ذریعہ ہے''۔

پروفیسر ''ناعوم چومسکی'' نے اپنی کتاب ''انفارمیشن میڈیا پر کنٹرول'' میں میڈیائی پروپگنڈہ کی طرف واضح طور پر اشارہ کیا ہے، انہوں نے میڈیا پر غلبہ وتسلط اور میڈیا میں غالب عنصر، کذب وافتراء دجل وفریب، جعل سازی اور حقائق کو بدل کر پیش کرنے کی کوشش کو بے نقاب کیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ شروع میں مسلمانوں کو ذرائع ابلاغ کی اہمیت وافادیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا، اور انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، حالانکہ یورپ نے پندرہویں صدی عیسوی میں پریس کے وجود میں آنے کے فوراً بعد ہی اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرنا شروع کردیا تھا اور خود عالم اسلام میں عیسائی مبلغین اور مستشرقین نے اس کا خوب استعمال کیا لیکن مسلمانوں نے اس پر توجہ نہیں دی، اہل یورپ میں اسلام کے تعلق سے جو معاندانہ رویہ پایا جاتا ہے وہ وسائل ابلاغ کے معاندانہ استعمال کی دین ہے۔ مغربی میڈیا اس وقت بھی برسر جنگ ہے۔

آج مسلمانوں کو جو جنگ درپیش ہے وہ علمی، فکری، ادبی اور ثقافتی جنگ ہے، ایک یورپین مفکر نے لکھا ہے کہ ''اسلام کے قلعہ کی تسخیر کے لیے علم سب سے مؤثر ذریعہ ہے، یہ حقیقی جنگ سے زیادہ مؤثر ہے اور اس کے ذریعہ خود مسلمان اہل فکر ہمارے مفاد کے حامی اور محافظ بن سکتے ہیں''۔

کچھ عرصہ سے یہ احساس مسلمانوں میں پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور متعدد اسلامی اداروں سے مجلّات ورسائل اور خبرنامے شائع ہونے لگے ہیں جو اسلامی مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں، ان میں سے بعض فکر اسلامی سے متعلق ہوتے ہیں اور اسلام مخالف افکار ورجحانات کا علمی انداز سے تجزیہ کیا جاتا ہے، اردو، عربی کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی بعض رسائل نکلنا شروع ہوگئے ہیں، اور انٹرنٹ پر بھی خاص طور پر عرب ملکوں میں اسلامی ویب سائٹ شروع ہوگئیں ہیں اگرچہ وہ اپنے مقابل کے مقابلہ میں بہت محدود ہیں تاہم یہ دعوت اسلامی کے میدان میں ایک خوش آئند بیداری ہے، دوسرے وسائل ابلاغ میں ان کا حصہ ناقابل ذکر ہے، اسلام دشمن تنظیمیں ان سارے وسائل پر قابض ہیں اور ان پر یہودی تنظیموں کا کنٹرول ہے اور ان کا اس سلسلہ میں وہی رول ہے جس کا اظہار انہوں نے پروٹوکول میں کیا ہے۔

سود کی لعنت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

بعثت نبوی علی صاحبہاالصلوۃ و السلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جس طرح خون کی ارزانی تھی اور جان کا کوئی احترام نہ تھا اسی طرح مال و دولت کے بارے میں بھی وہ عدم توازن کا شکار تھے، ایک امیر انسان غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنے امیرانہ ٹھاٹ باٹ بڑھاتا جاتا تھا اور غریب کے لیے اس بھری دنیا میں کوئی نہ تھا جو اس کے فقر و افلاس پر رحم کھاسکے، اس زمانہ کا اقتصادی نظام ایسی بنیادوں پر قائم تھا جن میں انتہا پسندی اور بے اعتدالی تھی، سودی کاروبار کو اس پورے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی، یہ مسئلہ صرف عربوں تک محدود نہ تھا، دنیا کے مختلف خطوں میں اقتصادی عدم توازن کی یہ شکل رائج تھی، قدیم ہندوستان میں 'کوتلیہ' (Kautaliya) کی تشریح کے مطابق ساٹھ فیصدی تک سود کی شرح جائز اور معقول سمجھی جاتی تھی، بعد میں ہندو سماج نے اس کو ظالمانہ شرح قرار دے کر اس میں کمی کردی، سولہویں صدی کے انگلستان میں دس فیصدی شرح سود کا عام دستور تھا، سو سال پہلے تک یورپ میں بھی آٹھ نو فی صد یسود کی شرح رائج تھی لیکن بعد میں اس کو زیادہ قرار دے کر اس میں کمی کردی گئی، سب سے پہلے اسلام نے آکر یک لخت اس کو ظالمانہ نظام قرار دیا اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، نبی آخر الزماں (ﷺ) نے اپنے آخری خطبہ میں صاف صاف یہ اعلان فرمادیا، "**وربا الجاھلیة موضوع**" (اور جاہلیت کے زمانہ میں جو سودی نظام تھا وہ ختم کیا جاتا ہے) مزید یہ بھی وضاحت فرمادی گئی: "**لکم رؤوس أموالکم لا تَظلمون ولا تُظلمون**" (تمہارے لیے قرض کی اصل رقم ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے) یہ بات صاف کردی گئی کہ جو قرض دیا گیا ہے وہ قرض دینے والے کا اپنا ذاتی حق ہے وہ اس کو ملے گا لیکن اس پر جس سود کا رواج رہا ہے اس کو ختم کیا جاتا ہے، اب اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں پر بھی قابل توجہ بات یہ ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے سب سے پہلے اپنے گھر سے اس کا آغاز فرمایا اور ارشاد ہوا: "**وأول ربا أضع من ربانا ربا العباس ابن عبد المطلب، فإنه موضوع کله**" (اور میں سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود ختم کرتا ہوں، یہ سب اب ختم ہے)۔

قرآن مجید میں سودی کاروبار کرنے والوں پر جتنی سخت نکیر کی گئی ہے وہ کسی دوسرے عمل کے بارے میں نہیں ملتی، ارشاد ہوتا ہے: "**یآ أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقي من الربا إن کنتم مؤمنین، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ و رسوله**" (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، سو اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)۔

سود کی بنیادی طور پر دو شکلیں ہوتیں ہیں، پہلی شکل جس کا آیت میں ذکر تھا اس کی مزید وضاحت آنحضرت (ﷺ) نے فرمائی: "**کل قرض جر منفعته فھو ربا**" (الجامع الصغیر) (ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کرلیا جائے وہ نفع سود ہے)، سود کی دوسری شکل کا ذکر صرف حدیث میں آتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جن مالوں میں سود کی علت پائی جارہی ہو، ان کی باہم ادھار خرید و فروخت کی جائے یا ان ہی مالوں میں سے ایک ہی طرح کی چیزوں کو کم زیادہ کرکے بیچا خریدا جائے۔

آج سب سے زیادہ سود کی وہ شکل رائج ہے جس کو قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ حرام کہا گیا ہے اور حدیث میں اس کے شبہہ سے بھی منع کیا گیا ہے، ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**دعوا الربا و الریبة**" (سود اور اس کے شبہہ کو بھی چھوڑ دو)، موجودہ دور میں بینک کا سود بھی سود کی اسی شکل میں شامل ہے، آنحضرت (ﷺ) نے صرف سود لینے والے ہی پر لعنت نہیں فرمائی بلکہ دینے والے اور سودی کاروبار میں تعاون کرنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے، حدیث میں آتا ہے: "**لعن اللہ آکل الربا و موکله و کاتبه و شاھدیه**" (اللہ کی لعنت ہے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر) ایک حدیث میں اتنے سخت الفاظ آئے ہیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجائیں، فرمایا کہ "سود کا سب سے کم درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے"۔ ان حدیثوں میں درس عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو کسی بھی درجہ سود میں ملوث ہیں، اور جو کھل کر سودی کاروبار کرتے ہیں اور اس کو برا بھی نہیں سمجھتے تو ان کا تو ایمان ہی خطرہ میں ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کے کسی بھی حکم کا انکار کفر ہے، اس کے بعد تو کوئی نیکی قابل قبول نہیں۔

درحقیقت سود سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں سب سے بدترین کاروبار ہے جس میں دولت کا ارتکاز ہوتا جاتا ہے، افراد کی سطح، علاقائی اور ملکی سطح سے لے کر عالمی سطح اور حکومتوں کی سطح تک یہ خون چوسنے والا نظام جاری ہے، ایک ساہوکار جس کو سب سے زیادہ مجبور سمجھتا ہے اسی سے زیادہ شرح سود وصول کرتا ہے، امیر اپنی دولت کو بڑھاتا ہے اور اس کا ذریعہ غریبوں کی گاڑھی پسینے کی کمائی کو بناتا ہے۔

واقعہ ہے کہ آج پوری دنیا جس طرح اقتصادی عدم توازن کا شکار ہے اس کی بنیادی وجہ سودی نظام ہے، اگر سودی نظام ختم کردیا جائے اور "اسلامی نظام زکوۃ" دنیا میں عام ہوجائے تو پوری دنیا میں ایک فرد بھی مفلوک الحال نظر نہیں آسکتا، لیکن سودی نظام کی وجہ سے جس طرح غریبوں کا خون چوس چوس کو دولت بڑھائی جارہی ہے اور اس کا ارتکاز ہوتا جارہا ہے، یہ پوری دنیا کے لیے خطرہ کی گھنٹی ہے، شرح سود خواہ کتنی ہی کم کردی جائے ظلم تو ظلم ہی ہے، اس کو کبھی انصاف نہیں کہا جاسکتا، نبی رحمت (ﷺ) نے پوری دنیا کے لیے جو نظام رحمت پیش کیا اس میں سود کی لعنت کو ہمیشہ کے لیے مٹادیا، یقیناً دنیا کے اقتصادی نظام کے لیے آپ (ﷺ) کے **خطبۂ عرفات** کا یہ پیغام سرمایۂ رحمت ہے۔

نبی رحمت : عظمت انسانیت

عبدالسبحان ناخدا ندوی

آج سے چودہ سو سال پہلے وادیٔ مکہ میں انسانیت کی جو شمع محمد رسول اللہ (ﷺ) نے روشن کی تھی اسی سے آج سارا جہاں روشن ہے، اس وقت حالات اس قدر نازک تھے کہ تاریخ کی آنکھوں نے اس سے نازک دور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا، انسانیت نے حیوانیت اور بربریت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے، اعلیٰ انسانی اقدار اپنا مفہوم کھو چکے تھے، طاقت، دولت، ظلم، جبر اور زندگی کی سہولتوں پر زبردستی قبضہ کو انسانی کمال کی آخری حد قرار دیا جارہا تھا، انسانی خون پانی سے زیادہ ارزاں تھا، خواتین کی عزت وحرمت کا تصور بھی گناہ تھا، انسانی ذہن اس قدر سکڑ چکا تھا کہ اپنی ذات سے آگے کچھ اور سوچنا سب سے بڑی حماقت تھا، کسی نے دل بہت وسیع کرلیا تو اپنے قبیلہ تک اسے پھیلا دیا، اس سے آگے بڑھنا محال تھا، بڑی بڑی سلطنتیں قوتوں کی بنیاد پر انسان اور انسان کے درمیان فرق کرتی تھیں، دنیا میں انسانوں کی ایک بھیڑ تھی لیکن ''انسان'' کا کہیں وجود نہ تھا، اس وقت خالق کائنات نے اس انسان اعظم کو بھیجا جس نے واقعی پورے عالم کی کایا پلٹ دی، انسانوں کو انسانیت کی بنا پر جڑنا سکھایا، قومیت اور وطنیت کے بت توڑے، کمال انسانی کے اصل معیار قائم کیے، اور ان ہی معیار پر انسانوں کو جانچنے کا سلیقہ سکھایا، ظلم، جبر اور طاقت و دولت کی ہوس کی جگہ انصاف، عدل اور ایثار وقربانی کی شمعیں فروزاں کیں، انسانی جان کی قیمت اتنی اونچی لگائی کہ ایک خون ناحق کو کل انسانیت کا قتل قرار دیا، ایک انسان کی زندگی بحال کرنا پوری انسانیت کو زندگی عطا کرنے کے متوازن قرار دیا، معصوم بچوں کے چہروں پر زندگی کی بہاریں لوٹائیں جن کو زندہ دفن کر کے ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا جاتا تھا، خالق کائنات نے خود اس عظیم نبی کو بچوں سے نوازا تھا تاکہ دنیا دیکھے کہ بچوں کو کس طرح نازوں سے پالا جاتا ہے، جس زمانہ میں خواتین کی عزت وحرمت کا کوئی تصور تک نہ تھا، انسانیت کے اس محسن نے عین اسی زمانہ میں عورت کو ماں بنا کر جنت اس کے قدموں تلے بچھا دی، بیوی کے روپ میں اسے سب سے انمول متاعِ کائنات قرار دیا، بیٹی کی تربیت پر جنت کی ضمانت دی، عورت کو مرکز محبت قرار دیا اور نازک آبگینوں کی بے مثال سے تشبیہ دے کر پوری کائنات کو رنگ انوار سے معمور فرمایا، اس عظیم انسان کی عظمت کی گواہی خود خالق کائنات نے یوں دی: ''**وإنک لعلیٰ خلق عظیم**'' (یعنی اے محمد! آپ بلاشبہ عظیم ترین اخلاق سے آراستہ ہیں)، ایک اور جگہ اسی عظیم ہستی کا تعارف یوں کیا ہے: ''**ویضع عنهم إصرهم و الأغلال التي کانت علیهم**'' (یہ نبی انسانوں کے بوجھ اور زنجیروں سے ان کو آزاد کرتا ہے جو ان پر لدی ہوئی ہیں)، اس کی زندگی اور بندگی کو دیکھ کر خالق ارض وسماء نے اسے وہ اعزاز بخشا جو اس سے پہلے اور بعد کسی کو نہ مل سکا، اس لیے **رحمة للعالمین** کا لقب تجویز ہوا، یعنی سارے جہانوں کے لیے رحمت۔

اس کا وجود خود رحمت الٰہی کا فیضان تھا، اس کی بعثت سے پہلے اللہ رب العزت نے ساری کائنات پر نظر کی تو کیا عرب کیا عجم! کوئی اسے پسند نہیں آیا، دنیا میں اپنی رحمت عام کرنے ہی کے لیے اللہ نے اس ہستی کو مبعوث فرمایا، ورنہ کب کی یہ دنیا فنا کے گھاٹ اتر چکی ہوتی! وہ اہل مکہ کے لیے رحمت تھا، جنہوں نے زندگی بھر کانٹے بچھائے، یہاں تک کہ اللہ رب العزت نے اسلام کی توفیق دے کر سب کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیا، اہل طائف پر بھی وہ ابر کرم بن کر برسا، جنہوں نے اس کے مبارک قدموں کو پتھر سے مار مار کر زخمی کیا تھا، رحمت کی یہ گھٹا اہل مدینہ پر یوں چھائی کہ ہمیشہ کے لیے وہاں کے باشندے دین کے انصار کہلائے، اور ان کا شہر مدینة النبی کہلایا، دو بڑے قبیلوں کی باہمی عداوت چشم زدن میں یوں غائب ہوئی کہ گویا کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا، وہ سرزمین عرب کے لیے رحمت تھا جہاں کے باشندوں نے سوائے باہم لڑنے بھڑنے کے کچھ نہیں سیکھا تھا، اسی کی رحمت تھی کہ انٹوں کے چرانے والوں نے تہذیب کی شمعیں روشن کیں، اور عالم کو ایک نیا عالمی نظام عطا کیا، جہاں انسان اور انسان کے درمیان کوئی تفریق نہ تھی۔ رحمت کی اس بارش سے روم وایران بھی محروم نہ رہے، جہاں اس کا کلمہ پڑھنے والوں کے مبارک قدم پہنچے، تہذیب وتمدن کے نام پر جہاں قوموں کو پامال کیا جاتا تھا اور چند نفوس کی خوشی کے لیے لاکھوں انسانوں کو جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ اس کی رحمت سے اہل ہند بھی سیراب ہوئے، جہاں اسی طائف کا ایک نمونہ پہنچا جو طائف اس عظیم شخص کی رحمت کی بناء پر محفوظ رہا، اور طائف کے اس فرزند نے ہندوستان والوں کو امن اور شانتی کا سبق پڑھایا، اسی کے حسن سلوک کو دیکھ کر اہل ہند اسے دیوتا قرار دینے لگے، اسپین کے عدیم المثال مدارس اس کی گواہی کے لیے کافی ہیں، وہ چین وجاپان کے لیے بھی رحمت بنا جہاں اس بابرکت ہستی کے ماننے والے پہنچے اور اپنے دیرپا نقوش ہمیشہ کے لیے ثبت کیے، وہ تہذیب وتمدن کے لیے رحمت تھا جس نے انسانوں کا خون چوسنے والی تہذیب وان کے کھنڈرات پر اپنے عشرت کدے تعمیر کرنے والے تمدن کے پرخچے اڑا دیے، اور اس کی جگہ ایک ایسی تہذیب قائم کی جس کی بنیاد احترام آدمیت پر رکھی، جس نے کالے کلوٹے بلال حبشی کو کعبہ کی چھت پر کھڑا کر کے آذان دلائی، اور دنیا کو یہ پیغام دیا کہ رنگ و نسل کی زنجیریں ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئیں، زندگی کے تمام شعبوں کے لیے وہ رحمت تھا، اخلاقی نظام کے لیے وہ اس طرح رحمت تھا کہ کل اخلاقی نظام اسی کا عطا کیا ہوا ہے، اس سے پہلے اخلاق کے نام پر دنیا کی تہذیبوں کے پاس سوائے بداخلاقی کے کچھ نہ تھا، اس کا اپنے متعلق یہ اعلان تھا: ''**إنما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق**'' (میں اچھے سے اچھے اخلاق کو کمال تک پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں)۔ تجارتی نظام کے لیے وہ رحمت تھا کہ اس نے اس نظام کو سود کی جکڑ بندیوں سے آزاد کیا، سودی لعنت میں پھنسی ہوئی گردنوں کو آزادی دلائی، فی الوقت دنیا جو معاشی گرداب میں پھنسی ہوئی ہے وہ اس کی دی ہوئی رحمت کو نہ لینے کا نتیجہ ہے، و امیروں کے لیے رحمت تھا، اسی نے صدقہ وخیرات کی شاہراہیں کھول کر امیروں کو حرص وہوس سے بچایا، بلکہ پیسوں کی بندگی سے محفوظ رکھا، وہ غریبوں کے لیے رحمت تھا کہ زکوٰۃ وصدقات کے ذریعہ ان کے آنسو پونچھے، عالی ہمتی وحوصلہ مندی کا راستہ دکھا کر خود بھی نہایت سادہ زندگی بسر کر کے اس نے غریب کو غیرت و خودداری کا سبق پڑھایا.....

(باقی صفحہ نمبر ۵ پر)

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے سودی قرض

شریعت اسلامیہ کی نظر میں

مفتی راشد حسین ندوی

تعلیم کسی بھی قوم کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، خاص طور پر موجودہ زمانہ میں کسی بھی قوم کی ترقی اور تنزلی کا پیمانہ تعلیم ہی کو قرار دیا جاتا ہے، آج جو قومیں سپر پاور سمجھی جاتی ہیں یا جن کو ترقی یافتہ قرار دیا جاتا ہے اگر غور کیا جائے تو ان کی طاقت اور ترقی کا سرچشمہ تعلیم ہی ہے، تعلیمی فوقیت کے سبب ہر طرح کی ایجادات، سائنسی انکشافات اور جدید ترین آلات اور نت نئے ہتھیاروں پر ان کی بالادستی ہے جس کے سبب وہ نفری قوت میں کمزور ہونے باوجود بازی مارلے جاتے ہیں، اگر یہ نہ ہوتی تو آج دنیا پر امریکہ اور یورپ کو بالادستی حاصل نہ ہوتی، نہ ہی اسرائیل جیسی مختصر ریاست کو اتنے وسیع وعریض عالم اسلام کو آنکھیں دکھانے کی جرأت ہوتی۔

اسی وجہ سے اسلام میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے حصول پر بھی ابھارا گیا ہے، کتاب وسنت کی بعض نصوص پر عصری تعلیم کے حصول کے بغیر عمل ہی نہیں ہوسکتا، مثلاً قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے: "**وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة**" (اعدائے اسلام کے لیے قوت (ہتھیار) جس قدر تم سے ممکن ہو تیار کرو)، یہ حکم اسلامی حکومتوں کو دیا جارہا ہے، ظاہر بات ہے کہ اس پر عمل جدید تعلیم کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔ اسی طرح امام غزالی وغیرہ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں علاج معالجہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ڈاکٹروں کا موجود رہنا، اور صحیح صحیح تقسیم میراث کے لیے حساب جاننے والوں کا موجود رہنا فرض کفایہ ہے۔ اسی پر ہم دوسرے میدانوں کے ماہرین کو بھی قیاس کرسکتے ہیں۔ فرض کفایہ کا مطلب یہ ہوا کہ اس طرح کے افراد اتنی تعداد میں موجود ہوں جن سے معاشرہ کی ضروریات پوری ہوجائیں، ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

اس کے بعد جب ہم اپنا جائزہ لیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آج کی دنیا میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں ہم ابھی بہت پیچھے ہیں، ہم میں آج بھی ڈاکٹر، انجینئر، مختلف امور کے ماہرین جتنے ہونے چاہیے نہیں ہیں، حد یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ جتنے سائنسداں پورے عالم اسلام میں ہیں اتنے اکیلے فرانس میں ہیں، اور عالم عرب میں تیل کی کھوج کرنے، صاف آنے اور نکالنے کا کام غیر ملکی ماہرین سنبھالے ہوئے ہیں۔

حالات کے پیش نظر نوجوانوں کا رجحان تعلیم کی طرف ہوا ہے، لیکن آج جدید تعلیم کے حصول کو بھی تجارت بنادیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اعلیٰ ٹیکنیکل تعلیم کا حصول ہر کس وناکس کی دسترس سے باہر ہے، پھر مسلمان تو پہلے سے پسماندگی کا شکار ہیں، ان کے لیے تو اس میدان میں قدم رکھنا اور ہی مشکل ہوجاتا ہے۔

تعلیمی قرض اسکیم: اس ضرورت کو دیکھتے ہوئے بہت سے یورپین بینکوں نے تعلیمی قرض اسکیم چلائی تھی، جس کا مقصد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے طلبہ کی مدد کرنا تھا، پھر ہندوستان میں بھی "وجیا بینک" اور بعض دوسرے بینکوں نے یہ اسکیم شروع کی، اس اسکیم کے تحت اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بینک طویل مدتی قرض دیتے ہیں، الگ الگ شعبوں کے لیے ضرورت کے اعتبار سے الگ الگ مقدار ہوتی ہے، مثلاً دوسرے ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے رقم کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، اندرون ملک میں تعلیم حاصل کرنا ہو تو مقدار کم ہوتی ہے، اس رقم کے حصول کے لیے ان کی اپنی کچھ شرائط ہوتی ہیں، جن کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، معاہدہ کے تحت ملازمت حاصل ہونے کے بعد اس رقم کی واپسی شروع ہوتی ہے، سود کی شرح بھی کافی کم رکھی جاتی ہے، اس کے بارے میں ان بینکوں کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ سود نہیں ہے، بلکہ سروس چارج ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر طلبہ اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟ اور کیا اس معمولی شرح سود کو واقعی سروس چارج قرار دیا جاسکتا ہے؟

تعلیمی قرض کا حکم: میرے خیال سے اس کو سروس چارج قرار دینا غلط ہے، اس لیے کہ اگر یہ سروس چارج ہوتا تو اس میں سالانہ اضافہ نہ ہوتا، اس انداز سے اضافہ یہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ سود ہے، سود کی تعریف اس پر پوری طرح چسپاں ہوتی ہے۔ علامہ شامی سود کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ زائد مال جو مال کا مال سے معاوضہ کرتے وقت بلاعوض ہو۔ دوسری جگہ حدیث شریف کے حوالہ سے فرماتے ہیں: ہر وہ قرض جو نفع لائے جب مشروط کردیا جائے تو حرام ہوگا۔

اس قرض میں بھی سالانہ اضافہ مشروط ہے، لہٰذا وہ سود ہے اور حرام ہے، اس لیے کہ سود میں کم زیادہ ہونے سے اس کی حلت وحرمت پر جس قدر واضح ارشادات اور جتنی سخت ترین مذمتیں وارد ہوئی ہیں، ان کی موجودگی میں کوئی صاحب ایمان سودی لین دین کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔

البتہ بینک اگر اپنے ضابطوں میں کچھ تبدیلی کرلیں، اور سالانہ یا ماہانہ اضافہ کرنے کے بجائے دفتری مصارف کا ٹھیک ٹھیک حساب کرکے ان کو ایک لخت مقرر کردیں تو اس کو سروس چارج قرار دے کر شرعاً جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اس صورت میں اگر وہ اس سروس چارج کو قسط وار وصولیں تب بھی گنجائش رہے گی، پھر خواہ وہ ہر قرض پر یکساں سروس چارج لگائیں یا دفتری مصارف کو فیصد سے مربوط کردیں دونوں کی گنجائش ہوگی یعنی خواہ وہ کم قرض لینے والے سے کم اور زیادہ قرض لینے والے سے فیصد کے اعتبار سے زیادہ سروس چارج لیں یا دونوں سے یکساں لیں جائز ہوگا، جیسا کہ مولانا تقی عثمانی صاحب نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے۔

لیکن موجودہ شکل میں دوسری چیزوں ہی کی طرح تعلیم کے لیے بھی بینکوں سے قرض لینا ناجائز اور حرام ہے۔ واللہ اعلم

بقیہ: نبی رحمت- عظمت انسانیت

وہ تعلیم وتعلم کے لیے رحمت تھا کہ اس نے علم کا رشتہ اللہ سے جوڑا اور ہمیشہ کے لیے اس کا قبلہ درست کردیا، ورنہ خدا فراموش ہوکر علم نہ جانے کیا کیا تماشہ دکھاتا، وہ اہل سیاست کے لیے رحمت تھا کہ اس نے سیاست وقیادت کے طریقے سمجھائے، اس نے سب سے پہلے یہ بتایا کہ اقتدار انعام نہیں امتحان ہے، اور اقتدار اپنے واسطہ پانے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں کو نفع پہنچانے کے لیے ایک امانت کے طور پر ملتا ہے، وہ ماتحتوں کے لیے رحمت تھا کہ اس نے یہ اصول عطا فرمایا کہ حقوق اللہ سے جاہو، زندگی کا کون سا میدان ہے جہاں اس کی رحمت کا فیض نہ پہنچا ہو، اسی بناء پر وہ دنیا کا عظیم ترین انسان ہے، جس نے دنیا سے کچھ نہیں لیا، سب کچھ دنیا کو دے گیا، "**قل ما سألتكم من أجر فهو لكم إن اجري إلا على الله**"

مرشد کی تلاش

محمود حسن حسنی ندوی

تربیت ہو یا رہنمائی اس کا تعلق خالص اللہ رب العزت سے ہے، وہی ذات عالی "رب العالمین" ہے اور اسی نے یہ دعا سکھائی "اھدنا الصراط المستقیم" پھر صحیح راستہ توفیق خداوندی فضل ربانی ہی سے حاصل ہوتا، راہ راست پر پڑھ جانے کے بعد اس پر قائم رہنا، جمنا، ڈٹنا، اور ثبات واستقامت میں کمزوری نہ آنے دینا یہ محض فضل الٰہی پر ہی موقوف ہوتا ہے، صحیح ہے اور بالکل حق ہے کہ "من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادي لہ"، (جسے اللہ رب العالمین راہ راست پر لانے کا ارادہ کرلے تو کوئی بھی اسے راہ راست سے ہٹا نہیں سکتا، اور جسے وہ ذات عالی راہ راست پر لانا نہ چاہے اسے کوئی جادۂ حق پر کھڑا نہیں کرسکتا)، انبیاء و رسولوں کو اس کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ ثبات و استقامت کی دعا مانگتے اور ایک لمحہ بھی اپنے اوپر اعتماد و بھروسہ نہ کرتے، واقعہ یہی ہے کہ خودی کو مٹانے سے ہی خدا ملتا ہے، راہ حق میں اپنے کو فنا کرنے سے ہی وصال حق حاصل ہوتا ہے، اور اس دعا میں بھی مقربین بارگاہ ایزدی کا حال آگیا ہے کہ "ربنا لا تزغ قلوبنا.... الآیۃ یعنی صحیح راستہ دکھادینے اور راہ راست پر ڈال دینے کے بعد ہمارے دلوں کو اس سے غیر مطمئن نہ فرما، اور اپنی رحمتوں کی نوازشیں فرماتا رہ) اللہ تعالی اپنے بندوں پر بڑا ہی شفیق ہے، بندہ اس کی خوشنودی کے حصول لیے قدم بڑھاتا ہے، فوراً اس کی رحمت متوجہ ہوجاتی ہے، اور جب بندہ بے توجہی برتتا ہے، اور اس کو چھوڑ کر دوسروں سے تعلقات بڑھاتا ہے، اور اپنی کامیابیوں کا انحصار اپنی صلاحیتوں پر رکھتا ہے تو وہ اپنے مربی حقیقی، ہادیٔ مطلق اور مرشد برحق سے دور ہوتا جاتا ہے، جس کا کھلا اثر اس طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمینی حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ظاہری اسباب میں اسے کوئی ایسا رہبر نہیں ملتا جس سے وہ رہنمائی حاصل کرسکے، کوئی ایسا مصلح سامنے نہیں آتا جس سے وہ صلاح وفلاح کا راستہ سمجھ سکے، اور نہ ہی کوئی ایسا مرشد و مربی اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو اس کی فکر کرے اور سمجھائے بجھائے، اپنے اس کے پرائے ہوجاتے ہیں، اس کی سیدھی الٹی ہونے لگتی ہے، قدم رکھتا ہے تو غلط پڑتا ہے، نگاہ اٹھتی ہے تو غلط پڑتی ہے، خرافات اسے گھیر لیتی ہیں، برکات اس سے کنارے ہوجاتی ہیں، لیکن توبہ وانابت کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے، اور یہ ایسا دروازہ ہے جو اسی وقت بند ہوتا ہے جب سانسیں ٹوٹنے لگتی ہیں۔

بندہ جب بھی صحیح زندگی گزارنے کا عہد کرلے اور صحیح کاموں کے کرنے میں کوشاں ہوجائے تو اس کے لیے خیر و برکت کے دروزے کھل جاتے ہیں، اور ارشاد ربانی ہے: "والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا، وإن اللہ لمع المحسنین" اسے سچے رہبر اور اچھے استاد و پیر اور مخلص اصحاب ورفقاء ملتے ہیں، اور اس کی بگڑی بنتی چلی جاتی ہے۔ لیکن توبہ وانابت دعا واستغفار سے دوری بنائے رہنا، اس کا استکبار ہے جو اس کو سرکش بنا دیتا ہے، اور پھر اللہ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہیں ہوتی، اللہ نے انسانوں کی خلقت کے آغاز میں ہی جن وانس کی ایک ایک مثال دے کر دونوں کا حشر بتادیا، ابلیس بابائے جن کے استکبار کو بتا کر واضح کردیا کہ یہ ہمیش ہمیش کے لیے دور کردیا گیا، کہ اسے اپنے فعل پر ندامت نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے موقف پر اڑا رہا، تو سارے ہی خیر سے محروم کردیا گیا، اور صرف یہی نہیں کہ وہ محروم کردیا گیا جو بھی اس کی پیروی کرے گا اور اس کے کہے میں آئے گا وہ بھی محروم کردیا جائے گا، اور بتادیا گیا: "ولا تتبعوا خطوات الشیطان إنہ لکم عدو مبین" (کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا وہ تم سب کا کھلا دشمن ہے)، لیکن اللہ نے توبہ و انابت اور استغفار و دعا سے بڑے بڑے ظلم و جرم کو معاف کرنے کا دروازہ صبح وشام کھول رکھا ہے، اسی لیے فرمادیا ہے کہ "توبوا إلی اللہ توبۃ نصوضاً"، حضرت آدم (علیہ السلام) بابائے بشریت وانسانیت کی مثال دی کہ وہ اس درخت کی طرف چلے گئے اور اس کا پھل کھالیا جس سے ان کو روکا گیا تھا مگر پھر وہ ندامت وخجالت سے پانی پانی ہوگئے، اور انتہائی تواضع اور فنائیت سے کام لیتے ہوئے سارا قصور اپنا گردانا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا: "ربنا ظلمنا انفسنا ..... الآیۃ اللہ نے ان کی اس ادا کو پسند کیا اور اپنا قرب خاص عطا فرمایا، اور خاتون اول حضرت حوا (علیھا السلام) کو انہی سے وجود بخشا اور پھر ان دونوں سے خوب مرد وعورت دنیا کو عطا کیے، اور اللہ نے صاف صاف فرمادیا: "وبث منھما رجالاً کثیراً و نساءً"، انہی مردوں و عورتوں نے اتنے رسول، نبی، محبوب وولی، صدیق وشہید، اور ابرار وصالحین پیدا کیے، جن میں ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) بھی ہیں اور موسی کلیم اللہ (علیہ السلام) بھی، اور عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) بھی اور سب سے بڑھ کر سیدنا حضرت محمد رسول اللہ (ﷺ)، اور برگزیدہ حضرات بھی جو اللہ کے مقرب اور محبوب بنے اور آج ان کے صحیح نام ہمارے سامنے نہیں، کیا یہ معمولی فضل ان پر نہیں کہ دنیا کا سارا خیر انہی آدم صفی اللہ (علیہ السلام) کی طرف لوٹ رہا ہے، اور یہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دنیا میں توحید کی ندا لگائی، اور زمین میں خلافت الٰہی کا فریضہ انجام دیا۔

اعترافِ قصور اللہ کو بہت پسند ہے، اور یہ اللہ کے فضل کے حصول کا یہ بڑا محرک بنتا ہے، انکار ذات ہو یا فنائیت اور تواضع وانکساری، اور اسباب کو اختیار کرنے کے بعد مسبب الاسباب پر نظر ہو تو پھر یہ اسباب اس کے لیے بڑے نتیجہ خیز اور ثمر آور ثابت ہوتے ہیں، لیکن تکبر واستکبار، عجب وانانیت، بغض وحسد اور تحقیر وتذلیل، دھوکہ دھڑی رحمت الٰہی سے اس قدر دور کردیتے ہیں کہ پھر سارے راستہ بند ہوجاتے ہیں، اور صورتحال یہاں تک پہنچ جاتی ہے جس کی صحیح تصویر خود اللہ رب العالمین نے پیش کردی کہ: "من یھد اللہ فھو المھتد.... الآیۃ (جس کو اللہ راہ راست پر لائے وہی آئے گا راہ راست پر اور جس کو وہ گمراہ کردے پھر تو نہ پائے گا اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا)، اس لیے انسان کو ہدایت کی دولت پانے کے بعد اپنے رب کا شکر گزار ہونا چاہیے، اور اس تسلسل کو ٹوٹنے نہیں دینا چاہیے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کہ "لئن شکرتم لأزیدنکم ولئن کفرتم إن عذابي لشدید" چنانچہ اولیاء اللہ کی صحبت ورفاقت، ذکر وعبادت کی توفیق، ایمان و احتساب کی دولت، یہ سب فضل الٰہی پر ہی موقوف ہے، لیکن اس فضل الٰہی کے حصول کے اسباب ومحرکات کو اختیار کرلیا جائے، تو تعلق مع اللہ کی دولت مل کے رہتی ہے، اور یہ حال ہوتا ہے جس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: "إن الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا و أبشروا بالجنۃ التي کنتم توعدون"۔

رسولِ رحمت (ﷺ)

محمد سمعان خلیفہ ندوی

اللہ کے آخری نبی ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے، آپ (ﷺ) کے اخلاق، آپ کا کردار، آپ کے معاملات، آپ کی معاشرت، آپ کی شریعت اور آپ کے فیصلے سب ہی رحمت کا آئینہ ہیں، آپ میں یہ جذبۂ رحمت یتیمی یا کسی اور ردِعمل کے طور پر نہیں پیدا ہوا بلکہ آپ کا وجود ہی اس سے عبارت تھا، آپ کی رحمت مجبوری اور ضعیفی کی رحمت نہیں تھی، یہ طاقت وروں کی رحمت تھی، انتقام پر قدرت کے باوجود آپ نے اس کا مظاہرہ کیا، سیرت کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔

رحمت کا اصل عنصر نرمی ہے، اس لیے نرمی آپ کے نزدیک فلسفۂ حیات کا اصل جوہر ہے، آپ ہی نے فرمایا: نرمی جس چیز میں بھی پیدا ہوتی ہے اس کو زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے رخصت ہوتی ہے اس کو بگاڑ دیتی ہے۔ زہریلے اور خطرناک ڈنک والے حشرات الارض کو مارنے کی ہدایت جب آپ نے دی تب بھی یہ نرمی پیش نظر رہی، فرمایا: جو ایک ہی مار میں گرگٹ کو ختم کر دے اس کو سو نیکیاں ملیں گی، دوسری مار میں اس سے کم تیسری میں اس سے کم۔

رحمت کے مخالف اعمال کا اصل محرک سنگ دلی ہے، اس لیے آپ کے نزدیک یہ رحمت کا سب سے خطرناک دشمن ہے، ''دیہات کے کچھ لوگ رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: آپ لوگ اپنے بچوں کو بوسہ بھی دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بالکل! وہ لوگ کہنے لگے: مگر ہم تو نہیں دیتے! آپ نے فرمایا: خدا نے تمہارے دلوں سے رحمت ہی نکال دی تو میں کیا کروں!''۔ یہی تعلق جب معاشرتی زندگی میں آتا ہے تو ایک دوسرے سے بھلی بات کہنا، خندہ پیشانی سے ملنا، ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، عفو ودرگزر کا معاملہ کرنا، ایک دوسرے کو سلامتی کی دعائیں دینا، تحفے تحائف بھیجنا، مریض کی عیادت کرنا، دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا، جنازے کے پیچھے چلنا، حتی کہ ایک کی چھینک پر دوسرے کا یرحمک اللہ کہنا بھی رسول اللہ کے نزدیک رحمت کا مظہر قرار پاتا ہے۔

رحمت آپ کو اس قدر عزیز تھی کہ عبادت میں غلو کو اسی لیے آپ نے پسند نہیں کیا، فتح مکہ کے دنوں رمضان کے مہینہ میں مکہ کے لیے آپ روانہ ہوئے، مقام کراع الغمیم پہنچنے پر آپ نے روزہ رکھا، لوگوں نے بھی رکھا، کچھ لوگوں کو جب آپ نے دیکھا کہ سفر کی دشواریوں کی وجہ سے ان کا برا حال ہو رہا ہے تو پانی کا ایک پیالہ منگوایا، لوگوں کے دیکھنے کے لیے اسے اٹھایا اور نوش فرمایا، پھر آپ کو جب یہ بتایا گیا کہ ابھی بھی بعض لوگ روزے سے ہیں تو ارشاد فرمایا: وہ لوگ نافرمان ہیں نافرمان!'' لوگ بظاہر عبادت کر رہے ہیں لیکن اگر بہت زیادہ مشقت اٹھا رہے ہیں، جان خطرے میں ڈال رہے ہیں پھر بھی کیے جا رہے ہیں تو ایسا کام چوں کہ رحمت کے خلاف ہے اس لیے آپ اسے خلاف سنت قرار دیتے ہیں۔

آپ کے گھر آپ کے عبادت کا حال معلوم کرنے بعض اصحاب آئے، جب انہیں آپ کا معمول بتایا گیا تو گویا انہیں اپنی بندگی کم محسوس ہوئی پھر خود ہی یہ توجیہ کی: ''کہاں اللہ کے نبی اور کہاں ہم! آپ کے تو اللہ نے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے ہیں''۔ ایک نے کہا: ''میں تو رات بھر نمازیں پڑھوں گا کبھی نہ سوؤں گا''۔ دوسرے نے کہا: ''میں تو ہمیشہ کا روزہ رکھوں گا کبھی نہ کھاؤں گا''۔ تیسرے نے کہا: ''میں عورتوں سے ہمیشہ کنارہ کش رہوں گا کبھی شادی نہ کروں گا''۔ جسم کے حقوق ادا نہ کرنا، بیوی کے حقوق ادا نہ کرنا، یہ سب رحمت کے خلاف ہیں، اس لیے آپ نے اس واقعہ کی اطلاع پر ارشاد فرمایا: تم ہی ہو جنھوں نے ایسی ایسی باتیں کیں، تم میں سب سے زیادہ خوف خدا مجھے ہے، سب سے زیادہ پرہیزگار میں ہوں، مجھے دیکھو! میں روزہ بھی رکھتا ہوں، نہیں بھی رکھتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں اور بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں، جو میری سنت سے منہ موڑے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں!۔ خود اپنے بارے میں فرمایا: میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، جی چاہتا ہے کہ نماز طویل کروں کہ کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑتی ہے اور نماز مختصر کر دیتا ہوں صرف اس اندیشے کے پیش نظر کہ بچے کی ماں کو زحمت نہ ہو جائے۔

یہی رحمت جب والدین کے ساتھ ہوتی ہے تو آپ کے نزدیک کبھی ہجرت اور جہاد جیسے عظیم الشان اعمال سے بھی بڑھ جاتی ہے، ہجرت اور جہاد کی بیعت کے لیے جب ایک صحابی آئے تو ان سے آپ (ﷺ) نے پوچھا: ''کیا والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اور جب پتہ چلا کہ دونوں زندہ ہیں تو فرمایا: ''جاؤ، جم کر ان کی خدمت کرو''، اور کبھی فرمایا: ''جاؤ، ان کی خدمت کرو، یہی تمہارا جہاد ہے، انھیں کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب حاصل کرو''۔

رسول اللہ (ﷺ) کے نزدیک رحمت کوئی نفلی کام نہیں ہے بلکہ یہ زندگی کی ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری ہے اور جہنم سے نجات دلانے والا اور جنت کا مستحق بنانے والا ایک بہت بڑا عمل ہے، اسی لیے ایک حدیث میں جہاں ایمان باللہ کو جہنم سے نجات دلانے والا بیان کیا وہیں پر ایک بے ہنر کی مدد کرنے، مظلوم کی داد رسی، نہیں تو کم از کم اپنی تکلیف سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کا بھی ذکر ہے، یہ سب رحمت کے مظاہر ہی تو ہیں، ان سب پر رسول اللہ (ﷺ) کا وعدہ ہے کہ ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کروں گا۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ کیے جانے والے ہمارے رحیمانہ اعمال کو اللہ کے رسول (ﷺ) اللہ کی ذات سے براہ راست تقرب کا ذریعہ بتاتے ہیں، مریض سے ملاقات گویا اللہ سے ملاقات ہے، بھوکوں کو کھلانا گویا اللہ کو کھلانا اور پیاسوں کو پانی پلانا گویا اللہ کو پلانا ہے۔

اللہ کے رسول کی رحمت ہی تھی کہ آپ نے اللہ کی رحمت سے انسانوں کو آشنا کیا، احساس گناہ کے بوجھ تلے دبے ہوئے اور کوتاہی عمل کے تصور سے گھٹ گھٹ کر جینے والے انسانوں کو رحمت خداوندی کی امید دلا کر جینے کا مزہ اور پاکیزہ زندگی کا قرینہ دیا، کبھی گزرے ہوئے مجرموں پر رحمت الٰہی کا حال سنا کر تو کبھی توبہ کی ترغیب اس انداز سے دے کر کہ خدا تعالی رات میں ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ دن کا پاپی اپنے گناہوں سے توبہ کر کے رحمت کی آغوش میں آجائے، اور دن میں ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ رات کا پاپی توبہ کر لے، اور کبھی مشفق اور مہربان ماؤں کی مثال دے کر کہ ان ماؤں سے زیادہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر رحم کرتے ہیں اور اللہ تعالی نے رحمت کے سو حصے کیے ہیں، ننانوے حصے اپنے پاس رکھ کر زمین پر اس کا صرف ایک حصہ اتارا ہے جس کی بدولت چوپائے بھی اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ مایوسی کی تمام تصویروں کو یہ کہہ کر یکلخت مٹا دیا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تم کو ختم کر کے ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے، پھر استغفار کریں گے اور اللہ ان کو بخش دے گا، لہٰذا ضروری ہے کہ گناہ ہو جانے کے بعد مایوس نہ ہوا جائے بلکہ گناہوں پر ندامت ہو اور توبہ واستغفار کی کثرت ہو۔

خودکش حملے
ایک تاریخی جائزہ

محمد نفیس خاں ندوی

خودکش حملہ یعنی انسان کا خود بم بن کر کسی کی جان لے لینا، یہ انتقام اور نفرت کی آخری حد قرار دی جاسکتی ہے، یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کا کسی بھی حکومت کے پاس کوئی توڑ نہیں، ایک انسان جب خود سے مرنے کو تیار ہے تو اس کو کس طرح کنٹرول کیا جاسکتا ہے؟ البتہ اس کیفیت تک پہنچنے میں بہت سے ناگوار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، عام طور پر جب ظلم کی انتہا ہوجاتی ہے اور مظلوم ظلم سہتے سہتے بے بس ہوجاتا ہے تب اس کے اندر پیدا ہوا جذبۂ انتقام اس کو خودکش حملہ پر آمادہ کرتا ہے۔

خودکش حملوں میں عام طور پر ایک بیلٹ استعمال کی جاتی ہے جس کا وزن عام طور پر ۱۰ سے ۲۰ کلو تک ہوتا ہے، اس بیلٹ کو حملہ آور اپنی کمر سے باندھتا ہے، اس کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ حملہ آور کے پیٹ اور کمر دونوں جانب دھماکہ خیز مادہ ہوتا ہے، ماہرین کے مطابق ان حملوں میں C - 4 نامی پلاسٹک ایکسپلوزیو (PlasticExplosive) استعمال کیا جاتا ہے جسے ۱۹۶۰ء میں برطانیہ نے ایجاد کیا تھا، اس کا استعمال اس لیے بھی زیادہ ہے کہ یہ کسی قسم کی حدت یا جھٹکے سے نہیں پھٹتا اور اسے چلانے کے لیے Detonator (دھماکہ کرنے کا آلہ) کی ضرورت ہوتی ہے، حملہ آور بیلٹ پہننے کے بعد ڈھیلا ڈھالا سوٹ پہنتا ہے تاکہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔ بعض ملکوں میں ان حملوں کے بعد ان کے ماسٹر مائینڈ ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں، اور بسا اوقات ان کے ویڈیو کیسٹ بھی جاری کیے جاتے ہیں۔

تاریخ میں خودکش حملوں کا ذکر حسن بن سبا یہودی کی تحریک میں ملتا ہے، حسن بن سبا نے "قلعۃ الموت" نام کی ایک مصنوعی جنت بنائی تھی، اس جنت میں وہ حشیش اور بھنگ پلا کر خودکش دستے تیار کرتا تھا اور پھر ان کی مدد سے بادشاہوں اور عظیم شخصیتوں کو قتل کرایا کرتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں بھی خودکش حملوں کا ذکر ملتا ہے۔ ماضی قریب میں خودکش حملے ۱۹۴۴ء میں جاپانی فضائیہ نے شروع کیے، ان حملوں کو جاپانی "کیمی کنیری" کہتے تھے، ان حملوں کا کمانڈر ایڈمرل کاماشیرو تھا، اس نے بیس سال سے کم عمر کے بہت سے نوجوان اکٹھا کیے، انھیں جہاز اڑانے کی تربیت دی، پھر یہ نوجوان جہاز میں بارود بھرتے اور اتحادی فوج کے کیمپوں پر حملہ کرتے، اس طرح ایک سال کے اندر تقریباً ۲۶۰۰ خودکش چھوٹے طیارے گرائے گئے، ان طیاروں نے بحرالکاہل میں امریکہ کے ۴۰ اور فلپائن کے ۱۶ بحری جہاز ڈبوئے۔ ان حملوں سے امریکی بحریہ کی کمر ٹوٹ گئی، اس کا بدلہ امریکہ نے جاپان کے دو اہم شہروں ناگاساکی اور ہیروشیما پر جوہری بم گرا کر لیا، جس میں لاکھوں انسان مارے گئے۔ اس کے علاوہ سوڈان، صومالیہ، لبنان اور چیچنیا میں بھی ان حملوں کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔

خودکش حملوں کا سب سے زیادہ استعمال فلسطینیوں نے اسرائیل کے خلاف کیا۔ اس کی بنیادی وجہ قلبِ فلسطین میں مملکت اسرائیل کا ناپاک وجود ہے، اس مملکت کو مستحکم کرنے اور فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے بے دخل کرنے کے لیے سنگین درجہ کا ظلم کیا گیا، اس کا ردعمل خودکش حملوں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق حماس کے تحت سب سے پہلا خودکش حملہ وفا ادریس نامی ایک دوشیزہ نے جنوری ۲۰۰۰ء میں کیا، اس دوشیزہ کو بچپن ہی سے اسرائیلوں کے مظالم کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس حملے کے بعد فلسطینی نوجوانوں اور خاص کر نوعمر لڑکیوں نے خودکش حملوں کو ایک مشن کے طور پر اپنا لیا، اور پھر اسرائیل کے مختلف شہروں میں خودکش حملوں کا سلسلہ چل پڑا، ان حملوں نے اسرائیلیوں کا جینا حرام کردیا، اس کے نتیجہ میں اسرائیل نے سیکورٹی کا بجٹ دوگنا کردیا، امریکہ نے اپنا ایک سیٹلائٹ اسرائیل کے لیے مختص کردیا جو ۲۴ گھنٹے اسرائیل کی نگرانی کرتا تاکہ کوئی خودکش حملہ آور کامیاب نہ ہوسکے۔ ان حملوں میں قاسم بریگیڈ اور حماس بریگیڈ نے مرکزی کردار ادا کیا۔

عالمی تجارتی مرکز (W.T.C) کی تباہی بھی ایک بھیانک خودکش حملہ تھا، ان حملوں نے مغربی ملکوں کو مزید پریشان کردیا اور یہ ایک موضوع بحث بن گیا، امریکی وزارت خارجہ نے اس پر سیمینار بھی کرایا، جس میں ان تین امور پر اتفاق ہوا (۱) خودکش حملہ کرنے والے پسماندہ طبقے کے بے روزگار اور ان پڑھ افراد ہوتے ہیں، یہ عموماً غیر شادی شدہ اور کچے دل کے ہوتے ہیں (۲) اس حملہ کے لیے مذہبی جنون ضروری ہے اس لیے عام طور پر حملہ آور مسلمان ہوتے ہیں۔ (۳) اس کے لیے ہمت اور جنون کی ضرورت ہے جو مردوں میں پائی جاتی ہے اس لیے حملہ آور مرد ہی ہوں گے۔ لیکن جب بیس برس کی تفصیلی رپورٹ سامنے آئی تو یہ سارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ خودکش حملہ کے لیے کہا گیا تھا کہ معاشی اور اقتصادی مسائل کے شکار نوجوان کرتے ہیں لیکن رپورٹ کے مطابق ان حملہ کرنے والوں میں ۴۷ فی صد طبقہ تعلیم یافتہ تھا، ۱۳ فیصد شادی شدہ تھے، اور ۲۲ فیصد لوگوں کے پاس ٹھیک ٹھاک دولت تھی، فلسطینی نوجوان عزالدین کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ کئی ریستوراں کا مالک تھا، اسی طرح ۴۷ سالہ داؤد ابو سوئے آٹھ بچوں کا باپ تھا۔ ان حملوں کے لیے مذہبی جنون کو ضروری قرار دیا گیا تھا لیکن سری لنکا کے تمل ٹائیگرز نے بڑی تعداد میں خودکش حملے کرکے اس نظریہ کو غلط ثابت کردیا۔ رہا سوال یہ کہ حملے عام طور پر مرد ہی کرسکتے ہیں تو فلسطین میں خودکش حملوں کا آغاز کرنے والی ایک دوشیزہ ہی تھی، اسی طرح تمل ٹائیگرز کے حملوں میں تقریباً ۴۰ فی صد عورتیں شامل تھیں، اور ہندوستانی وزیراعظم راجیو گاندھی پر خودکش حملہ کرنے والی بھی ایک تمل خاتون تھی۔ اس رپورٹ کے بعد مغربی ملکوں کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوتا گیا، اور اپنی پوری کوشش کے باوجود وہ ان حملوں کے سامنے بے بس ہیں۔

ان حملوں کے نتیجہ میں عوام میں ایک خوف اور دہشت پھیل جاتی ہے، خاص کر جب کسی عوامی علاقہ میں کسی حملہ کی افواہ پھیلتی ہے تو وہاں خوف واضطراب کے باعث ایک بھگدڑ مچ جاتی ہے، لوگ اندھا دھند ایک دوسرے کو روندتے ہوئے بھاگتے ہیں اور پھر نہ جانے کتنے لوگ اس میں زخمی اور ہلاک ہوجاتے ہیں۔ یہ خوف واضطراب نفسیاتی امراض میں اضافے کا ذریعہ بنتے ہیں، اس کا سب سے زیادہ شکار امریکی عوام ہیں، اور اس کی بنیادی وجہ امریکہ کی جارحانہ پالیسی ہے۔

خودکش حملوں کے بنیادی اسباب ظلم زیادتی اور کسی ملک یا قوم پر اپنے مخصوص نظریات تھوپنے اور اپنی بالادستی منوانے کی کوشش ہے، ہر ملک اور ہر مذہب کے لوگوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے طریقہ اور اپنے مذہبی تقاضوں کے مطابق زندگی بسر کریں اور اپنے داخلی معاملات خود ہی حل کریں، ان کے یہ بنیادی انسانی حقوق ہیں، جب ان کو چھیننے کی کوشش کی جائے گی اور طاقتور قومیں کمزور قوموں کو دبانا چاہیں گی تو اس کے ردعمل میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہیں گے، اس لیے بنیادی ضرورت انسانی اخوت ومساوات کو سمجھنے اور اس کو اپنانے کی ہے۔